OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اُردو کی یک کتابی طویل نظموں کا اسلامی دروبست

An Islamic collection of one-book long poems in Urdu

Dr. Abid Khurshid
Assistant Prof. Ghazi University, Dera Ghazi Khan
Dr. Muhammad Said Ali
Lecturer, Ghazi University, Dera Ghazi Khan
Shazma Zahra
Lecturer, Govt. Associate College for girls Choti Zareen, D.G Khan

Abstract

Presentation of Islamic concepts, glorious history and the current prospect of the Muslim Ummaah have had been the favorite subject of our Urdu poets. Such content has been presented in various forms and genres but it was specially elaborated in the long poems. Long poem has special features and distinctions. In this article such long poems have been discussed that are compiled in a book and one volume shape. Here are some long poems that have been introduced and discussed in details i.e., wrote long poems with Islamic historical back ground.

Key words: long poems, Six dimensions, Islamic Collection

تمہید

طویل نظم کو محض کرافٹ (craft) کے نقطہ نظر سے منسلک نہیں کیا جا سکتا، اِس کا پھیلاؤ شاعر کو اَندر سے کچوکے لگاتا ہے، اُسے مسلسل کرید تا ہے، اُبھارتا ہے کہ وہ خیال کو اظہار کی صورت دے اور پھر نظم کے عقب میں جتنا زیادہ احساس کا دباؤ ہو گا اُسے اپنی تشکیل یا ربط کے لیے اُتنے ہی وسیع و عریض کینوس کی ضرورت ہو گی۔ زمانی یا تاریخی آخذ میں جو فطری تسلسل کارفرما ہوتا ہے اُسے منظوم نگاری کا عمل دو آتشہ کر دیتا ہے۔ معنوی توسیع، معنی کے ابلاغ سے متعلق ہے۔ اگر ترسیل کا عمل ادھورا ہے

CC BY

تو پھر معیار و مدارج تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یوں اِس شش جہت پھیلاؤ نے تہذیبی و ثقافتی ورثے کی کڑیوں کو مربوط کرنے میں اپنا اہم کردار انجام دیا ہے۔ طویل نظم میں موضوع کا وسعت آشنا ہونا ایک صفت ہے۔ جس طرح ایک درخت اپنی شاخوں، پتوں ، پھلوں اور پھولوں سے پہنچانا جاتا ہے، تاہم یہ سلسلہ یہاں موقوف نہیں رہتا بلکہ درخت اپنے سائے کی صفت سے اپنی شناخت میں کہیں وسیع معنویت کا حامل ہو جاتا ہے پھر جس طرح اُس کا ظاہری وجود ہے، بباطن بھی وہ اپنی جڑوں کی صورت پھیلا ہوا ہے یعنی اُس کا وہ حصہ جو دکھائی نہیں دے رہا دراصل وہ اپنی زمین یعنی اپنی اصل سے جڑا ہوا ہے اور اپنی توانائی کا زیادہ تر انحصار بھی وہیں سے حاصل کرتا ہے۔ اصلاً ہمارے خطے کا انسانی وجود جس نظریے کا زائیدہ ہے وہ مذہبی کی عمل داری سے مزین ہے ۔ طویل نظم کا دروبست اِس موضوع کی سرابیت سے منسلک ہے۔ ذیل میں چند ایسی طویل نظموں کی قرات اور اُن کی ساختی تکمیل کے زاویے پیش خدمت ہیں، جن کا دروبست اسلام کے تابندہ ادوار سے ہے :

اسلامی تناظر: نشیب و فراز

مدوجزر اسلام / الطاف حسین حالی

الطاف حسین حالی (1837ء-1914ء) کی یک کتابی طویل نظم 'مدوجزرِ اسلام' معروف بہ 'مسدس حالی' پہلی بار 1879ء میں شائع ہوئی۔ حالی کی زندگی میں یہ شہ پارہ گیارہ مرتبہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ زیر نظر ایڈیشن، تاج کمپنی لمٹیڈ، لاہور / کراچی نے شائع کیا، جس پر سن کا اندراج نہیں ہے۔ چودہ سو شعروں سے زائد اِس نظم میں غیر معمولی مظاہر پنہاں ہیں۔ آج طویل نظم جس مسند پر جلوہ افروز ہے، بلاشبہ اِس کا پہلا بھرپور اظہار "مسدس حالی" میں ہوتا ہے، اِسے ہم طویل نظم کی خشت اول بھی کہہ سکتے ہیں۔ حالی، شاعری میں اِس طرز سخن کے خود ہی موجد تھے۔ حالی کو اُردو اَدب میں بہت سی اصناف کے تعارف کی اولیت حاصل ہے۔ محض یہ انفرادیت بھی اپنی جگہ ایک نشانِ امتیاز ہے، لیکن اِس طویل منظومے میں اُن کے ہاں 'اصلاح' سے زیادہ 'بیداری' کا عنصر نمایاں ہے۔ اصلاح غلطی کی ہوتی ہے اور بیداری کا تعلق خوابِ غفلت سے ہے۔ حالی کے سامنے اسلامی تاریخ کے اوراق بکھیرے پڑے تھے، حالی نے اُنھیں ترتیب وار جوڑا، ماضی کو نہ صرف حال بلکہ مستقبل سے مربوط کیا۔ اقداری معیار کے اعلا منصب پر فائز ہونے کے باوجود، انکساری کی ایسی مجسم تصویر، جس میں ناقدری کے شکوے ہیں نہ ہی خود ستائشی کی کوئی جھلک، حالی کی شخصیت بہ ذاتِ خود کسی شہ پارے سے کم دِکھائی نہیں دیتی۔ "مسدس حالی" خود الطاف حسین حالی کے پاکیزہ اور زریں شخصی اوصاف کا پرتو ہے، جو پروردگار کا عطا کردہ ہے :

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اِک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جُدا تھا
نہ کشورستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایا
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا[1]

حالی اگر مسلمانوں کی زبوں حالی پر فکر مند ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی فکر کو مہمیزیوں دی کہ اُنھیں عالمگیر شہرت سے نوازا۔ حالینے اپنے استدلال سے اگر ایک سوئی ہوئی قوم کو غفلت کے احساس سے بیدار کیا تو خالقِ باری نے اُن کے اسلوب میں وہ گداز اور مٹھاس بھر دی جس کی حلاوت سے سماعتوں پہ پڑی گرد آنِ واحد میں چھٹ گئی۔ آنحضور سے عقیدت کے دعوے ہر مسلمان کے دل میں بسے رہتے ہیں، لیکن ہر کسی کو حالی ایسا ظرف میسر نہیں آتا :

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ[2]

اس طویل نظم کو پڑھتے ہوئے بارہا یہ احساس ہوتا ہے کہ حالی کے آنسو آنکھوں سے نکل کر زمین پر نہیں گرے بلکہ مدہوشی میں ڈوبے ہوئے اُن کند دماغوں پر پڑے جنھیں صدیوں کی غفلت نے زنگ آلود کر دیا تھا اور پھر یوں بھی جب بارش برستی تو جیسے انسان بھیگتے ہوئے خود بھی بارش کا حصہ بن جاتا ہے بالکل اسی طرح جس دروازہ پر بھی یہ دستک ہوئی اُس نے بے تابی سے اپنا در کھول دیا :

گھٹا اِک بطحا کے پہاڑوں سے اُٹھی
پڑی چار سو یک بیک دُھوم جس کی
کڑک اور دمک دُور دُور اُس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اُس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی[3]

حالی نے اُنگلی پکڑ کر مسلمانوں کو اُن کی گزشتہ تہذیبی و ثقافتی عظمت کے نشان دِکھائے۔ ہاتھ رکھ کر بتایا کہ دیکھو تغیراتِ زمانہ نے اپنا کام کیا لیکن تمھاری بے رُخی نے تمھارے لیے اجنبیت پیدا کر دی ہے، لیکن یہ دوری صرف اُس لمحے تک ہے جب تک تم اسے پہچان نہ لو۔ حالی استحصال اور تسلط کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے قائل تھے، بظاہر نظر آنے والی رکاوٹوں سے متصادم ہونے کے بجائے، خرابی کو تہ یعنی پاتال سے ختم کرنے کے قائل تھے اور اِس کے لیے خواب کا خواب سے جڑنا ضروری تھا :

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ وِلا کا

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دُنیا میں انساں کے انساں[4]

حالی کی زیرک نظری اور مشاہدہ اُن کی تخیلاتی حس کو متحرک رکھنے کا ایک سبب تھا۔ وہ وسیع المطالعہ شخص تھے، اُن کے متعلق یہ بے معنی بات ہے کہ وہ انگریزی زبان و ادب سے واقف نہیں تھے، اِس تاثر کو رد کرنے کے لیے اُن کی وہ نظمیں ہی کافی ہیں جو اُنھوں نے انگریزی سے ماخوذ کی ہیں۔ ہاں اُنھوں نے بلاوجہ حوالے نہیں دیئے، جو اُن کا ایک فطری انداز تھا، اُن کا لسانی برتاؤ انجذاب کے رُجحان کی عکاسی کرتا ہے، اُن کی نظر منظر سے پس میں دیکھنے کی قدرت رکھتی ہے :

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر
تو ہوتے ہیں مسخ اُن میں پہلے تونگر
کمال اُن میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر
نہ عقل اُن کی ہادی نہ دین اُن کا رہبر
نہ دُنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا
نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا[5]

حالی نے جب 'مسدس حالی' لکھی تو شاعری کے مزاج میں تبدیلی آرہی تھی لیکن غزل سے نظم کے اِس سفر میں ابھی نظم اپنا دامن غزل کے موضوعات اور غزل کی ڈکشن، لفظیات سے پوری طرح آزاد نہیں ہوئی تھی۔ نظم اور غزل کے مصرع میں کوئی فرق نہیں تھا۔ تراکیب سازی، مشکل پسندی، قافیہ کا بے دریغ استعمال وغیرہ ایسی خوبیاں تھیں جو غزل سے وابستہ تھیں اور اِن کا اثر نظم پر نمایاں تھا لیکن "مسدس حالی" کو پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ یہ شاعری کی ایک الگ صنف کی قرات ہے۔ اِسے غزل کی طرح پڑھا نہیں جاسکتا :

اندھیرا تو ارتخ پر چھا رہا تھا
ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
درایت کے سورج پہ اَبر آرہا تھا
شہادت کا میدان دُھندلا رہا تھا
سرِ رہ چراغ اِک عرب نے جلایا
ہر اِک قافلہ کا نشان جس سے پایا[6]

حالی کا سنجیدہ اور حساس رویہ اُن کے تخلیقی مزاج کا آئینہ ہے۔ اُنھیں علمی فیوض سے رغبت نے اُن عوامل کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اُبھارا کہ جن کا تعلق اہلیت سے ہے، وہ جن سے مخاطب تھے اُن کی ناکسی کو بھی جانتے تھے کہ اہل ہونے کی خصوصیت حاصل کرنے سے حاصل ہوگی۔ علی احمد فاطمی لکھتے ہیں :

"آج کی معاشرتی اُلجھنوں اور اَدب اور عوام کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو دیکھتے ہوئے حالی کو دریافت کرنے اور حالیہ تناظر میں ان کی معنویت و افادیت کی شدید ضرورت ہے۔ ان کی شاعری کو نئے

سرے سے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے یقین ہے کہ موجودہ اَدب کے پراگندہ اور بے ہنگم شوروغل میں ان کی بامقصد اور پاکیزہ شاعری نشاط وانبساط، حرکت وحرارت بخشے گی۔"

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل
نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل
نہ بازار میں بوجھ اُٹھانے کے قابل
نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر[7]

ظہیر ملک اپنے مضمون "مسدسِ حالی کا تاریخی پس منظر" میں نظم کے موضوعات کو فرد اور سماج کے ایسے اٹوٹ رشتے کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں جہاں اُن عوامل کا مطالعہ ممکن ہے، جو حال سے بدحال تک کی روداد ہے، لکھتے ہیں :

"حالی نے مسدس میں ہر ایک طبقے کی تعلیمی، معاشی اور اخلاقی حقیقت حال کی واضح، مفصل تصویر کشی کی ہے۔ ان کے خیال میں ملت کی تنزلی کا سبب اس کے سربراہوں کی اجتماعی مفاد، فلاح واصلاح کی طرف سے غیر دلچسپی اور بے رُخی تھا۔ تغیرات زمانہ سے پیدا ہوئیں نئی حقیقتوں کا تحقیق و اجتہاد کے ذریعے مقابلہ کرنے میں وہ ناکامیاب رہے۔"[8]

اِن جذب واثر پزیری سے مملو اشعار کو ملاحظہ کیجئے، جو محض کسی مدارا کیفیت کو بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ اِن مصرعوں کے بطون میں جو عقیدت ہے، وہ ہر پڑھنے والے کے دل میں جاگزین ہو جاتی ہے :

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے[9]

"مسدسِ حالی" میں مختلف مقامات پر جن شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بھی خوبیوں سے مالا مال ہیں، تاہم آنحضور کا ذکر کرتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کا سر بھی عقیدت سے جھکا ہوا ہے۔ دیگر محترم ہستیوں میں حضرت آمنہؓ، آلِ عدنان، آلِ غالب، ابوبکر رازی، ارسطو، الپ ارسلاں، سقراط، بوجہل، بونصر، سام، سکندر، سلیمان، صاحب قرانی، ضحاک، طغرل، طوسی، فلاطون فریدوں، ساسانی، جنید بغدادی، بازید، شامل ہیں نیز چند ایک مقامات میں ارم، ارمنی، بوقبیس، زابلی، سمرقند، اندلس، سیلون، صور، صیدا، قلزم، کوفہ، کوہِ آدم، کے حوالے آئے ہیں۔ جو حالی کے وسیع المطالعہ ہونے کے لیے بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ "مسدسِ حالی" کو یہ اعزاز بجا طور پر حاصل ہے کہ طویل نظم کے حوالے سے یہ پہلی سنجیدہ تخلیق ہے اور دیگر بہت

سے رُجحانات کے بنیاد گزاروں کے ساتھ طویل نظم کی شناخت میں پڑی گرہیں، حالی کے مو قلم سے کُھلی ہیں، اگرچہ 'مسدس حالی' کو فن پارے کے میزان پر پرکھنے والے مختلف آراء بھی رکھتے ہیں کہ فن پارے میں مسلسل unfold ہونے کی کیفیات ہوتی ہیں، جو ترسیل و تشکیل کا بنیادی کلیہ ہے، تاہم حالی کی عظمت کسی ایک جملے پر نہیں کھڑی کہ اگر وہ جملہ نکال دیا جائے تو ساری عمارت دھڑام سے نیچے گر جائے گی۔

رفعت آشنائے راز

خانوادہ نور / رفعت سروش

چمن بندی ہر اِک صحرا میں کی اولادِ آدم نے
ہر اِک گلشن میں تھی توحید کی خوشبو
عراق و شام کی تہذیب کی گل کاریاں تھیں رشک کے قابل
مگر توحید کے پھولوں میں جب الحاد کے کانٹے ہوئے شامل
تو بگڑی صورت اولادِ آدم، عیش کوشی بن گئی مسلک[10]

اسلام کی عظیم الشان تشکیل کے حوالے سے تاریخ کے صفحات معطر ہیں۔ قلم اور مو قلم کے ربطِ باہم نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے حصے کا کام کرنے کی توفیق بھی مقدر کی دین ہے۔ 'خانوادہ نور' کے حوالے سے ابتداً پروفیسر طاہر محمود کی رائے ملاحظہ کیجئے جس میں اُنھوں نے اِس کی تقریظ کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "رفعت سروش نے "خانوادہ نور" لکھ کر اپنی نظم و نثر کی بے شمار تصانیف میں ایک اور نئے اور حسین گوشے کا اضافہ کیا ہے، تاریخ اسلام، بلکہ پورے انسانی ارتقا کی تاریخ، سے دلچسپی رکھنے والے ہر اردو داں کے لیے "خانوادہ نور" تاریخی واقعات و سوانح کی منظوم مگر فلسفیانہ وضاحتوں کا ایک ترو تازہ خزینہ ہے۔"[11]

رفعت سروش کی یک کتابی طویل نظم 'خانوادہ نور' 2003ء میں بھوپال، ہندوستان سے شائع ہوئی۔ نظم جیسا کہ اپنے عنوان کی پاکیزگی یہ بشارت دیتی ہے کہ آنحضور کی ذاتِ عظیم سے متعلق ہے۔ آپ کی بعثت مبارکہ کی ساعت سعید سے پہلے عرب کے معاشرہ کا سماجی نظام اور پھر آپ کی دُنیا میں تشریف آوری، مقام و مرتبہ کے مدارج اور پھر ظہورِ اسلام کی منزل کا تعین۔ تاریخِ انسانی کے سب سے بڑے واقعے کی کڑیاں اتنی مضبوط روایتوں سے جڑی ہیں، جنھیں پڑھ کر انسان کا احساس تازہ ہو جاتا ہے۔ اِس نظم کا جداگانہ اور اچھوتا اسلوب، شعری واردات میں ایسا جذب ہے کہ پڑھنے والے پر اِس کے اثر میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ رفعت سروش نے یہ نظم کہی نہیں بلکہ اُن پر اُتری ہے۔ نظم کے 26 حصے ہیں اور قریباً تین ہزار سے زائد (3000) مصرعوں پر مشتمل ہے۔ مختلف بحروں اور مختلف اصناف میں چھوٹے بڑے مصرعوں میں واقعات کی ایسی ایسی داستانیں بیان کی گئی ہیں، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اُنھوں نے جہاں اِس نظم کے ذریعے اسلام کی سُنہری تاریخ کو اپنے کشف کے ذریعے شعری وجدان دیا ہے وہیں تاریخ انسانی کے قدیمی اوراق کی تحریریں بھی ہمارے سامنے رکھی ہیں، طوفانِ نوح، عاد و ثمود پر نازل ہونے والے درس عبرت کو بیان کیا ہے :

مٹ گئی تہذیب عاد
سات دن میں ہو گئی نابود دُنیا سے وہ قوم
ذاتِ باری سے جسے انکار تھا
درس عبرت بن گئی تاریخ میں [12]

رفعت سروش کا اسلوب نئی رفعتوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، اُنھوں نے واقعات کو ضرورتِ شعری کے زیر اثر آکر اُن میں خفیف سی سلوٹ بھی پیدا نہیں ہونے دی، یہ منصب سے زیادہ عطا کا معاملہ ہے۔ جس پر وہ جتنا فخر کریں، کم ہے، وہ اپنے اظہار میں کامیاب رہے ہیں، پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب حضرت خدیجہؓ جب آنحضور کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور اُن کی گفتگو کے بعد جو صورت حال آپ کے سامنے آئی اُسے کس انداز سے بیان کیا گیا ہے :

گفتگو ورقہ کی سن کر آپ نے سوچا کہ میں
قوم کا اپنی چہیتا، میں ہوں صادق اور امیں
اور یہ کہتے ہیں کہ میں یاں سے نکالا جاؤں گا
کیسے ممکن ہے بھلا، آتا نہیں مجھ کو یقیں [13]

ہجرت مکہ کے مناظر انسانی تاریخ میں اپنے نوعیت کے لحاظ سے نہ صرف اہم ہیں بلکہ اُن میں سیرت رسول کے بڑے نادر حوالے ہیں، دیکھئے اِس سفر ہجرت کے دوران میں جب ایک عظیم الشان واقعہ رونما ہوتا ہے، جس کے معجزانہ اثرات روایات میں مذکور ہیں۔ جس میں آپ کے علاوہ حضرت صدیق اکبرؓ جنھیں بعد بعد میں اِسی نسبت سے یارِ غار کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے، اُسے کس طرح الفاظ کا روپ دیا گیا ہے :

بُن دیا مکڑی نے جالا، غار کا منہ چھپ گیا
اور کبوتر نے وہیں اپنا بنایا گھونسلہ
کافران کی کھوج میں آتو گئے اس غار تک
اُلٹے پاؤں پھر گئے، کب یاں گزر انسان کا [14]

رفعت سروش کو بھی اپنے اِس اسلوب پر نہ صرف ناز ہے، بلکہ وہ اپنے قلم کو شیر خدا کی طرح چلنے کی ترغیب دیتے ہیں، وہ نوک قلم کو جس استقامت کا درس دے رہے ہیں وہ خیر و شر کی پل صراط سے تعبیر کر رہے ہیں، جس میں جراتِ اظہار بھی ہے اور شجاعتِ اظہار کی روش بھی مثالی ہے :

اے قلم! قرطاس پر تیغ علیؑ کی طرح چل
پل صراط خیر و شر پر ہیں قدم تیرے سنبھل [15]

اسلام کے ارتقائی سفر میں غزوہ بدر کو جو اہمیت حاصل ہے، اُس کا احاطہ شاعر نے نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ اشعار میں نہ صرف جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے بلکہ اِس واقعہ کے بعد جو اثرات معاشرتی و سماجی سطح پر مرتسم ہوتے ہیں، اُن کی عکاسی بھی عمدگی سے کی گئی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے :

لشکرِ کفار کو اس طرح بڑھتا دیکھ کر
چاہتے تھے کچھ مسلماں ہم بھی بڑھ جائیں مگر
روک کر سب کو وہیں، حضرت محمدؐ نے کہا
ہوش سے بھی کام لو، ہے وقت بے شک جوش کا
تم ابھی ٹھیرو، یہیں سے تیر اندازی کرو
لشکرِ کفار کو اپنے قریب آنے تو دو
تیر برساتے ہوئے کفار جب آئے قریں
لشکرِ احمدؐ نے تب یک لخت تیغیں کھینچ لیں
متحد ہو کر بڑھے، کفار کو تلوار کی
رن پڑا، تلواریں، تلواروں سے ٹکرانے لگیں
کیا لڑے گا کوئی، جب حمزہؓ سے ہوں شمشیر زن
اور علی مرتضیٰؓ، بے مثل جن کا بانکپن[16]

اِس عظیم معرکے میں استقامت اور حق کی کلیدی کامیابی نے اِسے محض کسی جنگ کی فتح سے بہت آگے کا موضوع بنا دیا۔ تیقن کی ایسی دوسری مثال مشکل سے ہی دِکھائی دیتی ہے۔ یہ میزان دو نظریات کی ایسی تصویر گری ہے، جسے انسانی تاریخ کا تابعدار عرصہ قرار دیا جاسکتا ہے، نیز انسانی تاریخ بھی اس پر نازاں رہے گی :

بدر میں اسلام کی عظمت ہوئی ہوں آشکار
اجتماعیت بڑھی، حاصل ہوا جب اقتدار
اہلِ دنیا سے الگ انصاف کی میزان تھی
بدر میں طرزِ حکومت کی بنا رکھی گئی
جنگ میں ستر مرے، ستر ہوئے جنگی اسیر
کیا خبر، ان میں سے کن لوگوں کا جاگ اُٹھے ضمیر
اور پھر ہو جائیں وہ اسلام کے حلقہ بگوش
اہلِ دیں کے ہم قدم ہو جائیں با جوش و خروش
کشت و خوں مسلک نہیں ہے اور نہ تھا اسلام کا
کر دیا آزاد، جس نے بھی زرِ فدیہ دیا
جو زرِ فدیہ ادا کرنے کے قابل ہی نہ تھے
کہہ دیا ان سے کہ لوگوں کو پڑھایا کیجئے
ایک اگر دس کو پڑھا دے، قید سے آزاد ہے

دس کو جو لکھنا سکھا دے، قید سے آزاد ہے[17]

مذکورہ یک کتابی طویل نظم میں محض منظوم تاریخ نویسی کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ شعریت کے بنیادی تقاضوں کو کسی طور بھی کم اہمیت نہیں دی گئی۔ اسلامی تاریخ کا ایک اور نادرالمثل واقعہ غزوہ خندق ہے۔ اس موقعہ پر جو جنگی حکمتِ عملی مسلمانوں کی طرف سے اپنائی گئی، اُس کی نظیر رہتی دُنیا تک قائم رہے گی، یہ مناظر ملاحظہ کیجئے :

ہوئے جو مشہور، سلماں فارسیؓ نے کہا

دفاعی جنگ ہے، ہم کیوں نہ خندقیں کھودیں

رہیں گی عورتیں بچے تو قلعہ میں محفوظ

کھلی ہیں دین محمد پہ فتح کی راہیں[18]

اِس طرح فتح خیبر کی عظیم کامیابی مسلمانوں میں نہ صرف جذبہ جہاد کو بیدار رکھنے کا باعث ہے بلکہ، اِس معرکہ میں رونما ہونے والے واقعات سے مسلمانوں کی طاقت کا ڈنکا ساری اقوام تک پھیل گیا کہ اَب مسلمان ناقابلِ تسخیر ہو چکے تھے اور اُن کی گونج سنائی دے رہی تھی :

خبر سن کر رسول اللہ نے خود طے یہ فرمایا

یہودی قوم کا فتنہ دبا دینے کا وقت آیا

مدینے سے سوئے خیبر چلا اسلام کا لشکر

جو مبنی تھا پیادہ پا، دو سو سواروں پر

یہودی کیا نکلتے چھپ گئے سب اپنے قلعوں میں

مسلماں شہر کے باہر ہی ٹھہرے اپنے خیموں میں

یہ قلعے سات تھے، سب کے تحفظ کا کیا ساماں

سمجھتے تھے کہ ان کے ہاتھ میں ہے گردش دوراں

مسلمانوں نے بڑھ کر کر لیا محصور خیبر کو

کوئی اندر نہ جانے پائے، کی تاکید لشکر کو[19]

اِس معرکہ میں مرحب نامی جنگجو پہلوان جس سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ کسی سورما میں نہیں تھا، نہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُس کا مقابلہ کیا بلکہ اُسے ایک ہی وار میں تہِ تیغ کر کے خیبر کی جنگ کا فاتح ہونے کا خطاب بھی حاصل کیا اور شیر خدا کی ہیبت، دشمنانِ اسلام پر طاری ہو گئی :

علیؓ شیر خدا تھے، فیل تن کے بس میں کیا آتے

بچے پھرتی سے، پھر حملہ کیا اور پوری قوت سے

سر مقتل علیؓ کی تیغ تھی یا قہر کی بجلی

گری سر پر تو کاٹا خود کو، جبڑوں تلک آئی

یہودی فوج میں اِک کھلبلی سی مچ گئی گویا
کوئی گھبرا کے بھاگا اور کوئی ڈر کر اُدھر دوڑا
جری یہ کون ہے! جس نے کیا ہے قتل مرحب کو
خراش اس کو نہیں آئی، تعجب تھا یہی سب کو[20]

ہجرتِ مدینہ کے نو سال بعد جس عظیم انقلاب یعنی فتح ملکہ کی بنیاد رکھی گئی، نظم کے اِس حصے میں ہجرتِ مدینہ اور فتح مکہ کے دوران عرصے کی تفصیل بیان کی ہے، دُنیا کی کوئی فتح اِس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جہاں ایک خون کا قطرہ بہائے بغیر، محض جنگی حکمتِ عملی سے یہ جنگ مسلمانوں کی اِس عظیم کامیابی پر منتج ہوئی :

یہ عرصہ نو برس کا کتنی صدیوں سے سوا ہے قدر و قیمت میں
ہزاروں سال کی تاریکی باطل کو اس نے نور میں بدلا
ہزاروں سال سے اوہام، کفر، الحاد کا سایہ مسلط تھا
عرب کے ریگ زاروں، مرغزاروں، کوہساروں پر
مصفیٰ کر دیا ایمان کے سورج کی کرنوں سے
دیا وحدانیت کا درس ایسا بت پرستوں کو
جھکے معبود کے آگے،
ہوئی تطہیر کعبے کی
قبائل کو کیا شیر و شکر،
اِک نظم نو کی طرح ڈالی
جس میں سب انساں برابر ہیں[21]

ظہورِ اسلام سے قبل کی روحانی تاریخ کے یہ مناظر تخیل کی رفعتوں کو مس کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اسلام کا ظہور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ انسانوں کی تاریخ کے حوالے سے بھی اِس عظیم انقلاب کے اثرات کو نہایت عمدگی سے منظوم کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُنھوں نے اِس طویل نظم کو شعری واردات سے بھی مملو رکھا ہے :

ہو چکی تکمیل دیں، تکمیل تعلیم بشر
اب قیامت تک نہ آئے گا کوئی پیغامبر
شافعِ محشر غلاموں کے محمد مصطفیٰ
رحمت اللعالمین محبوبِ رب کبریا[22]

جمالِ گنبدِ خضرا/ مشرف حسین انجم

مشرف حسین انجم (پ:17 مئی 1969) کی یک کتابی نعتیہ نظم 'جمال گنبد خضرا' 2019ء میں فروغ حمد و نعت کونسل، سرگودھا کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس مجموعے میں پانچ سو نعتیہ اشعار شامل ہیں۔ علاوہ بریں اُن کی سات کتابیں ایسی ہیں جن میں ایک ہی نعت یا حمد شامل ہے۔ اِس سلسلے میں اُن کا مجموعہ 'گلشن میں بہار آئی' جو کہ سلام پر مشتمل ہے 2003ء میں منظر عام پر آیا، جو پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ 2005ء میں 'خوشبو درود کی' یہ بھی سلام پر مشتمل ہے، اس کے اشعار کی تعداد بھی پانچ سو ہے۔ 'شہر وفا کی خوشبو' 2006ء میں یک کتابی طویل نظم کی صورت شائع ہوا، اِس مجموعے میں لفظ 'نعت' کی تشریح بیان کی گئی ہے کہ نعت کیا ہے؟ اِس کے لوازم کیا ہیں؟ اِسی طرح 2014ء میں السلام اے محورِ اقلیم جاں' کو اشاعتی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اور اسی سال یعنی 2014ء میں ہی 'سیرتِ حضور کی خوشبو' منظر عام پر آیا۔ 2015ء میں 'نقش لعین حضور' یک کتابی نعتیہ نظم کی صورت اشاعت پذیر ہوئی۔ اِس نظم کے اشعار کی تعداد بھی 510 تھی۔ 2016ء میں 'خوشبوئے محبت' اشاعت پذیر ہوا جس کی اضافی خوبی یہ تھی کہ اِس مجموعے کے ہر شعر میں لفظ 'محبت' شامل ہے، اور بارگاہِ نعت میں اِس لفظ کی نسبت سے کئی پیرائے منفرد معنوی ترتیب میں ڈھلے۔ مشرف حسین انجم کو شاعر حمد و نعت بھی کہا جاتا ہے، بقول اُن کے وہ حمد، نعت، سلام، منقبت کے حوالے سے سو مجموعے تخلیق کر چکے ہیں، جن میں سے تیس شائع ہو چکے ہیں اور ستر (70) مجموعے اشاعت کے منتظر ہیں۔ یہ اعزاز بھی اُنھیں اپنے عہد کے دیگر شعراء میں ممتاز کرتا ہے۔ 'جمالِ گنبد خضرا' کے اِن اشعار میں الفاظ کی سادگی اور عقیدت کے چند پہلو نمایاں ملاحظہ ہوں:

عطاؤں میں چمکتا ہے جمال گنبد خضرا
وفاؤں میں دمکتا ہے جمالِ گنبد خضرا
عقیدہ حسن سے بھر دے جمال گنبد خضرا
بشر کو خوش نظر کر دے جمال گنبد خضرا[23]

حفیظ تائب نے اپنی مختصر رائے میں مشرف حسین انجم کے نعتیہ اشعار کو 'کیفیت' کی یافت قرار دیا ہے، بباطن جذب اور طراوت کے مجسم انسلاک کے بغیر ممکن نہیں، وہ لکھتے ہیں:

"مشرف حسین انجم سلام کی کیفیت میں ایسے ڈوبے کہ 500 اشعار کہہ گئے جو پوری کتاب پر محیط ہو گئے۔"[24]

شاعرانہ تخیل میں نظام اظہارات، حقیقت اور مجاز کی باہم ربط روحِ عصر مثبت اور تعمیری جذیات کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ عجز و تواضع، رواداری کیف و سرور اور وارداتِ قلبی کو عشق حقیقی کے استعاروں سے شاعر نے اپنا مقصود بیان کیا ہے۔ عرفانی عقائد کا اظہار اس عمدگی سے کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مسحور کن تجربے سے گزرتا ہے۔ سرور انبالوی نے نعت کی خوشبو کو معطر احساسات کی اساس قرار دیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

"طویل نعت.... بڑی خوبصورت کیف آگین اور عقیدت و محبت میں پروئے ہوئے اشعار کی ایسی معطر و معنبر لڑی ہے، جس کی خوشبو اہل ایمان و ایقان کے مشام جاں کو تا دیر معطر کرتی رہے۔"[25]

گنبد احضرا کی مدح و ستائش میں ہر شعر کی ندرت ایسی ہے کہ ایک منفرد منظر جنم لیتا ہے۔ آنحضور کے اوصاف حمیدہ و شمائل کا ذکر، شوقِ زیارت کے بغیر ادھورا ہے۔ پروفیسر شیخ محمد اقبال نعت کے اظہار میں وجدان کی نمو پذیری کو اہم گردانتے ہیں اور مشرف حسین انجم کے اسلوب کی شائستگی کو موضوع بناتے ہیں:

"مشرف حسین انجم کا ہر شعر اور ہر مصرع اس امر کا غماز ہے کہ اُن کی فکر اور ان کا وجدان نعت سرور کائنات سے نمو پاتا ہے۔ اِن کی زبان انتہائی شستہ و شگفتہ، تشبیہات قابل فہم اور مدعا بہت ہی واضح ہے۔"
[26]

گل خنداں کی زینت ہے جمال گنبد خضرا
نگاہوں کی سکینت ہے جمال گنبد خضرا
گگن دل کا سجاتا ہے جمال گنبد خضرا
خوشی میں جھلملاتا ہے جمال گنبد خضرا[27]

جمال گنبد احضرا کی مسلسل ردیف میں اِتنے اشعار تخلیق کرنا اور پھر اُن سے تفہیمی معانی کی ترسیل فنی اعتبار سے مشکل ریاضت ہے۔ لیکن شاعر موضوع کے تسلسل اور روانی میں بہتا چلا گیا ہے اور پھر ہر شعر کی گونج اُس کے اپنے نہاں خانے میں سنائی دیتی ہے :

نکھرتا ہے مدینے میں جمال گنبد خضرا
شفا پھرتا ہے سینے میں جمال گنبد خضرا
نگاہوں میں بھرے تابش جمال گنبد خضرا
دِکھادے نور کی بارش جمال گنبد خضرا[28]
یکایک نور سے بھر دے جمال گنبد خضرا
غنا سے آشنا کر دے جمال گنبد خضرا
یہاں بھی نور دیتا ہے جمال گنبد خضرا
وہاں بھی نور دیتا ہے جمال گنبد خضرا[29]

نعتیہ نظم کی طوالت متقاضی ہے کہ ہر شعر کی گرہ حسن عقیدت سے کھُلے اور اُس کی امکانی صورت ایسی ہو کہ خواہشِ اظہار بھی ہو اور طینت اور کیف کی ایسی فضا مرتب ہو جائے کہ دورانِ قرات اُس کے اثرات مرتسم ہونا شروع ہو جائیں۔ یہ ایسی خوبی ہے جس کے پرتو نظم کے اکثر اشعار میں مجزن ہیں۔ پیر خواجہ محمد حمید الدین سیالوی نے نعتیہ نظم بہاؤ کو خاص موضوع بنایا ہے، اُن کے الفاظ دیکھئے:

"ترنم، روانی شستگی و شگفتگی، عمدگی و پختگی، خوبصورت بحریں اور دِل میں اُترنے والی ردیفیں، نئے نئے تجربات اور چاشنی و معیار کی بلند و بالا منازل پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ وارفع تخیلات کی حامل فنی محاسن سے پُر، لاجواب نعتیہ شاعری مشرف حسین انجم کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔"[30]

مذکورہ موضوع کی درایت واضح ہے، جس میں اُردو شعراء نے معیاری اسلوب، صناعانہ اظہار اور حتی الوسعت احساس و جذبہ سے مزین خیالات پیش کیے ہیں۔ علاوہ بریں اردو شعراء کے ہاں اسلامی تناظر میں استدلالی منہاج ہے۔

خلاصۂ بحث

انقلاب کے فکری تصور کو عملی طور پر فعال کرنا قابلِ صد تحسین رویہ ہے۔ مختلف النوع نظریات کا تقابل، الہیاتی افکار کی تشکیل اور دیگر رونما ہونے والے عوامل اِن نظموں کے بطون میں تجزیہ کے متلاشی ہیں۔ اُردو میں منظوم داستان، منظوم تاریخ، منظوم سوانح اور منظوم خطوط نگاری تک کے تجربات ہوئے ہیں، انفرادی طور پر کچھ شہ پاروں کو پذیرائی بھی ملی، تاہم اسلامی تاریخ کے تسلسل میں ایک فطری ربط ہے، جس کے سبب یہ میلان اکائی کی صورت دکھائی دیتا ہے۔ پھر سیرت طیبہ یا منظوم احادیث کا اظہاریہ بباطن وسیع تناظرات کا حامل ہے۔ لہٰذا طویل نظم کا اسلامی دروبست اُردو کی طویل نظم میں اپنی جداگانہ شناخت کا زائیدہ ہے۔

References

1 Mowlānā Alṭāf Hussain Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī* (Lahore: Tāj Company ltd, n.d), 11.
2 Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 15.
3 Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 26.
4 Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 52.
[5] Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 47.
[6] Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 47.
[7] Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 50.
[8] Ḥālī, *Musaddas-e-Ḥālī*, 32.
[9] 'Alī Ahmed Fāṭimī, Ḥālī kī Manwiyāt; Musaddas-e-Ḥālī kā Tārīkhī Pas-e-manzar, 1871-1982, Matboa Ghālib Nama, Alṭāf Hussain Haali number, (New Delhi: Ghālib Institute, July 2002), 355-356.
[10] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor* (Bhūpāl: Nawrang Kitāb ghar, 2003), 11.
[11] Prof. Tāhir Mahmood, *Pesh Lafz Mashmūla: Khānwada-e-Noor* (Bhūpāl: Nawrang Kitāb ghar, 2003), 8.
[12] Tāhir Mahmood, *Pesh Lafz Mashmūla: Khānwada-e-Noor*, 8.
[13] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 27-28.
[14] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 70.
[15] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 93.
[16] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 107.
[17] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 113.
[18] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 116-117.
[19] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 134.
[20] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 146.
[21] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 147.
[22] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 165.
[23] Riffat Sarosh, *Khānwada-e-Noor*, 192.
[24] Musharraf Hussain Anjum, *Jamāl-e-Gumbad-e-Khazra* (Sargodha: Farūgh-e-Hamd-o-Naat Council, 2019), 67.

[25] Ḥafeez Tāʼib, *As'salām ay Meḥwar-e-Aqleem-e-Jān* (Abd al-Ḥaq Naat Foundation, 2014), 5.
[26] Suroor Ambalvī, *As'salām ay Meḥwar-e-Aqleem-e-Jān*, 92.
[27] Prof. Dr. Shaikh Muhammad Iqbāl, *Jamāl-e-Gumbad-e-Khazra* (Sargodha: Farūgh-e-Hamd-o-Naat Council, 2019), 122.
[28] Hussain Anjum, *Jamāl-e-Gumbad-e-Khazra*, 122.
[29] Hussain Anjum, *Jamāl-e-Gumbad-e-Khazra*, 102.
[30] Hussain Anjum, *Jamāl-e-Gumbad-e-Khazra*, 112.